قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

(متفرقات)

المحاسبة

بالقرآن

(سورة الفاتحه)

فرقان الدین احمد

بسم الله الرحمان الرحیم

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّ ارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ

المحاسبۃ بالقرآن

(سورۃ الفاتحۃ)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ **کا قول ہے کہ** "اپنے نفسوں کا **محاسبہ خود کر لو** قبل اس کے تمہارا محاسبہ کیا جائے، اور اس کے وزن سے قبل خود ہی وزن کر لو۔"

اور اس محاسبہ؛ یعنی اپنے نفس کے مواخذہ کے لیے قرآن حکیم سے بہتر کون سا میزان ہو سکتا ہے؛ جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اَلْقُرْآنُ حُجَّۃٌ لَکَ أَوْ عَلَیْکَ (قرآن تیرے لئے حجت ہو گا یا تیرے خلاف ہو گا)"۔ قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ وہ نہ صرف کل انسانیت کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے بلکہ اپنے ماننے والوں کو وہ میزان بھی مہیا کرتا ہے جس کی روشنی میں ہر مسلمان اگر چاہے تو مرنے سے پہلے ہی اپنے بارے میں "ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ" یا "خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ" کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے۔

قرآن حکیم اپنی کل وسعت میں دو ہی گروہ انسانی کے افکار و عقائد؛ اقوال اور اعمال کا تفصیلی ذکر کرتا ہے؛

- "احسن تقویم" یعنی وہ خوش بخت جو فکری؛ قولی اور عملی طور پر انبیاء کے مثل ہیں۔
- اور "اسفل السافلین" یعنی وہ بد بخت جو فکری؛ قولی اور عملی طور پر شیطان کے مثل ہیں۔

باقی تمام انسانیت ان ہی دو انتہاؤں کے بیچ میں ہے اور اس دنیا میں ان کی انہیں دونوں انتہاؤں میں سے کسی ایک کے ساتھ مشابہت ہی آخرت میں ان کے مقام کا فیصلہ کرے گی۔ اس دنیا میں اس مشابہت کے اَن گنت درجات اور مجموعات ممکن ہیں؛ یعنی کہ یہ نہ صرف فکر میں ہم آہنگی ہو سکتی ہے؛ بلکہ فکر اور قول میں؛ یا فکر، قول اور عمل تینوں میں بھی ہو سکتی ہے۔ اور آخرت میں ثواب و عذاب کا فیصلہ بھی اس مشابہت کی مقدار اور اس کے کمال پر منحصر ہے۔

ان میں سے اہم ترین فکری مشابہت ہے کیونکہ اسی مشابہت پر انسان کے ابدی خوش بخت یا بد بخت ہونے کا دار و مدار ہے۔ ایک "احسن تقویم" سے فکری مشابہت رکھنے والے خوش بخت مسلمان کا اس دنیا میں "اسفل السافلین" سے قولی؛ عملی؛ یا قولی اور عملی مشابہت؛ آخرت میں اس کے "اسفل السافلین" کے

ساتھ عذاب کی شدت اور مدت میں مشابہت کا باعث تو ضرور ہو گا؛ مگر فرق صرف دوام کا ہو گا یعنی وہ اس مشابہت کی سزا بھگتنے کے بعد اپنی فکر کے باعث خوش بختوں میں شامل ہو سکتا ہے۔

مثلاً قرآن اپنے ہی متعلق رسول اللہ ﷺ کے ایک شکوہ کو بیان کرتا ہے کہ

- ✓ وَقَالَ الرَّسُوۡلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِى اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا [سورة الفرقان ؛ ۳۰] اور رسول کہے گا اے میرے رب بے شک میری قوم نے اس **قرآن کو نظر انداز کر رکھا تھا**۔

اب یہ نظر اندازی فکری بھی ہو سکتی ہے؛ قولی بھی؛ عملی بھی یا اس کا اطلاق انہیں تین پر مشتمل کسی قسم کے مجموع پر بھی ہو سکتا ہے۔ اگر یہ فکری نظر اندازی قرآن کے کلی انکار پر مبنی ہے تو یہ صریحاً کفر ہے اور عذاب کے دوام کی متقاضی ہے؛ بصورت دیگر اگر یہ فکری نظر اندازی جزوی قرآن کی ہے؛ تو عذاب دائمی بھی ہو سکتا ہے اور وقتی بھی؛ جبکہ قولی نظر اندازی کا اطلاق اس کی تلاوت پر ہے جو وقتی عذاب کا متقاضی ہے اور اسی طرح عملی نظر اندازی کا اطلاق اس کے علم کے حصول؛ اس پر عمل اور تبلیغ کی کوتاہی پر مبنی ہے جو بھی وقتی عذاب کا متقاضی ہے۔ یہ تینوں نظر اندازیاں "اسفل السافلین" کے قبیل سے تعلق رکھنے کے باعث اخروی عذاب کی متقاضی ہیں مگر اس اخروی عذاب کی شدت اور مدت کا دار و مدار اس دنیا میں "اسفل السافلین" کے ساتھ اس نظر اندازی کے امر میں فکری؛ قولی یا عملی مشابہت کی مقدار اور شدت یا کمال پر ہے۔

مندرجہ بالا حکمت عملی کا اطلاق اگر ہم قرآن کی ہر آیت کے مطالعہ پر کریں تو باآسانی "احسن تقویم" والے گروہ انسانی سے اپنی فکری؛ قولی یا عملی دوری اور "اسفل السافلین" والے گروہ انسانی سے اپنی فکری؛ قولی یا عملی قربت نہ صرف ہم پر واضح ہو جائے گی بلکہ شاید یہ مشق اس فکر آخرت کی بنیاد بھی بن سکے جو اس المحاسبۃ بالقرآن سے عین مطلوب ہے۔ گو اس حکمت عملی کے مخاطب اور محتاج کل امت یکساں ہے (یعنی علماء یا غیر علماء؛ عربی یا عجمی)؛ مگر اس محاسبہ کی صلاحیت اور اس سے استفادہ ہر انسان کی اپنی ذہنی سطح؛ علمی قابلیت؛ نیت کے اخلاص؛ باطنی مثبت اوصاف؛ وسعت معاملات اور جوابدہی کے خوف جیسے عناصر پر منحصر ہے۔ جیسے جیسے ان عناصر میں مثبت ترقی ہوتی رہتی ہے؛ ویسے ہی اس کی محاسبہ اور اس سے استفادہ کرنے کی صلاحیت میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے؛ جس کا منطقی نتیجہ اس کی محاسبہ کے جوہر یعنی فکر آخرت میں روز بروز اضافہ ہے۔

اس مضمون میں شامل "سورۃ الفاتحہ" کی آیات بینات کے بیان کا مقصد بھی صرف اس محاسبہ والی حکمت عملی کو ایک عملی شکل میں مثال کے طور پر پیش کرنا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس مضمون کا ہر قاری اس میں مزید بہتری اور اس کے نتیجہ میں مجھ سے کہیں زیادہ اس سے عملی طور پر مستفید ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ ﴿﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ

سورۃ الفاتحہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الفاتحہ کی بنیادی حیثیت ایک دعا کی ہے جو میرے خالق و مالک نے اپنی رحمت کے اتمام کے لیے میری طرف وحی فرمائی کیونکہ نہ میں جانتا تھا کہ مانگنے کے آداب کیا ہیں؛ اور **ظلم** کے باعث نہ یہ ادراک رکھتا تھا کہ میرا اور میرے خالق میں تعلق کس نوعیت کا ہے اور نہ ہی **جہالت** کے باعث یہ ادراک رکھتا تھا کہ مانگنا کیا ہے۔ ایسی دعا کی قبولیت میں آخر کیا شک ہو سکتا ہے جس کے کل مندرجات قبول کرنے والے کی جانب سے ہی ہوں اور پہلے سے ہی مقبول ہوں؛ اس کی مقبولیت میں مانع اور اس دعا کی دنیاوی تاثیر اور اخروی اجر سے محرومی محض میرے اپنے نفس کے ظلم اور اس کی جہالت کے سبب ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴿﴾ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿﴾ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿﴾

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے[1]۔ بڑا مہربان نہایت رحم والا[2]۔ جزا کے دن کا مالک[3]۔

تین بنیادی عقائد جن کا ہر دعا مانگنے سے پہلے میرے ذہن نشین ہونا لازمی ہے۔ اس بنیادی ادب کے بغیر نہ تو میری کسی دعا میں کوئی تاثیر ہے اور نہ ہی کوئی اجر۔ جب تک مسئول کی دینے کی قدرت (رَبِّ الْعَالَمِيْنَ)؛ اس کے دینے کی وجہ (اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) اور اس کے دینے کے بعد احتساب کے نظریہ (مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ) پر کامل یقین پیدا نہ ہو؛ تو نہ تو میری دعا میں خشوع و خضوع پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی مجھ سے اس کی عطا کی ہوئی نعمت کا صحیح استعمال ممکن ہے۔

[1]پہلا عقیدہ؛جب کل نعمتیں اوران میں موجود تمام بھلائیاں؛حُسن؛خیر اور برکتیں واحد اللہ سبحان وتعالیٰ کے احسانات کے صدقے سے ہے اوراس کائنات میں تمام اسباب کا اس مسبّب الاسباب کے تابع ہونے کے باعث؛جب کل مخلوق اپنے کل معاملات میں صرف اسی کی محتاج ہے؛تویقیناًمیری تمام فکری؛قولی اور عملی تعریفوں اور شکر کا مستحق محض میرے پالنے والے یعنی" رَبِّ الْعَالَمِيْنَ "کا حق ہے۔

محاسبہ طلب بات یہ ہے کہ	
عصر حاضر میں اسباب اور مسبّب الاسباب میں سے **کون** میری فکری؛قولی اور عملی تعریفوں اور شکر کا حقیقی منظور نظر ہے؟	**کیا** میں اپنی زندگی میں موجود اپنے رب کے احسانوں اور نعمتوں کا ادراک رکھتا ہوں؟
کیا میں دین میں مطلوب فکری؛قولی اور عملی شکر کے طریقہ کا ادراک رکھتا ہوں؟	
احسن تقویم (یعنی شکر گزار مومن) اور اسفل سافلین (یعنی ناشکرے کافر) کے پیمانہ پر	
میں اپنے رب کا **کتنا** حقیقی فکری؛قولی اور عملی شکر گزار یا سپاس گزار ہوں؟	
میری فطرت " احسن" یا "اسفل" **کس انتہا سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے** تاکہ آخرت کی امید بھی اسی مناسبت سے کر سکوں؟	

[2]دوسرا عقیدہ؛اس کی تمام دینی ودنیاوی نعمتیں جو میرے اوپر اس دنیا میں سایہ فگن ہیں یا(خاتمہ بالایمان کی صورت میں) آخرت میں ہوں گئیں،جن کا میں کوئی استحقاق نہ اس دنیا میں رکھتا ہوں اور نہ آخرت میں ان کے مستحق ہونے کا دعویدار ہو سکتا ہوں؛مگر یہ محض میرے خالق ومالک کی رحمانیت اور رحیمیت کا مظہر ہیں اور ہوں گئیں؛اس عقیدہ پر میرا دلی یقین اور میری دنیاوی واخروی محتاجی اور بے کسی اس بات کی متقاضی ہے کہ میرا رویہ بھی ایسی "اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ "والی شخصیت کے ساتھ ہمیشہ سپاس گزار؛عاجزانہ؛احسان مندانہ؛نیازمندانہ اور فرماں بردانہ ہونا چاہیے۔

محاسبہ طلب بات یہ ہے کہ
کیا میں اپنی دینی ودنیاوی نعمتوں کو اپنی کاوشوں اور دنیاوی اسباب کا نتیجہ تو قرار نہیں دیتا ہوں؟
کیا ان دینی ودنیاوی نعمتوں کے حصول سے میری احسان مندی کے جذبہ اور فکری؛قولی اور عملی شکر میں اضافہ کے ساتھ اللہ کی قربت میں اضافہ ہوتا ہے کہ نہیں؟

احسن تقویم (یعنی عاجز و انکسار مومن) اور اسفل سافلین (یعنی سرکش و باغی کافر) کے پیمانہ پر
میں اپنے رب کا **کتنا** حقیقی عاجز گزار ہوں؟
میری فطرت "احسن" یا "اسفل" **کس انتہا سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے** تا کہ آخرت کی امید بھی اسی مناسبت سے کر سکوں؟

[3] تیسرا عقیدہ؛ استحقاق نہ ہونے کے باوجود ان تمام دینی و دنیاوی نعمتوں کی عطا کا مقصد؛ خالق و مالک کی مجھ سے کوئی خصوصی محبت یا نسبت کے سبب نہیں؛ بلکہ محض میرے امتحان کے باعث ہے اور "يَوۡمِ الدِّيۡنِ" پر ان تمام دینی و دنیاوی نعمتوں کی جواب دہی میں کامیابی کے بعد ہی تمام اخروی نعمتوں کا حصول ممکن ہے؛ کیونکہ ان نعمتوں کا عطا کرنے والا "رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ" ہی ان تمام نعمتوں کا حساب کتاب لینے والا "مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ" بھی ہے۔

محاسبہ طلب بات یہ ہے کہ	
کیا ان دینی و دنیاوی نعمتوں کے حصول سے مجھے اس دنیا کی آسائشیں اور راحتیں مطلوب ہیں؟	**کیا** میں ان دینی و دنیاوی نعمتوں میں موجود خیر و شر کا ادراک رکھتا ہوں؟
کیا ان دینی و دنیاوی نعمتوں کے استعمال سے مجھے اپنے خالق و مالک کی خالص رضامندی مطلوب ہے کہ نہیں؟	**کیا** میں ان دینی نعمتوں کا اپنے نفس پر مطلوبہ اثرات کا ادراک رکھتا ہوں؟
کیا ان مطلوبہ دنیاوی اثرات کی غیر موجودگی مجھے تشویش میں مبتلا کرتی ہے؟	
احسن تقویم (یعنی آخرت میں جواب دہی کے خوف والا مومن) اور اسفل سافلین (یعنی آخرت پر جری ہونے والا کافر) کے پیمانہ پر	
میں روز محشر ان نعمتوں کی جواب دہی سے **کتنا** خوفزدہ ہوں؟	
میری فطرت "احسن" یا "اسفل" **کس انتہا سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے** تا کہ آخرت کی امید بھی اسی مناسبت سے کر سکوں؟	

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں[4]۔

[4]اس آیت کا تعلق بھی عقیدہ سے ہے اور یہ عقیدہ ایک وعدہ کی صورت میں میرے اور " رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" کے باہمی تعلق کو واضح کرتا ہے۔ اگر میں مندرجہ بالا تینوں عقائد کا سچے دل سے حامل ہوں تو یہ چوتھا عقیدہ تو انہی عقائد کی عملی شکل کا وعدہ ہے۔ ہر قسم کی طاغوت سے برات اور خالص اللہ سبحان و تعالٰی کی وحدانیت کا اقرار تو میں کلمہ طیبہ کی شکل میں پہلے ہی کر چکا؛ اب تو اس عقیدہ کو راسخ کرنا لازمی ہے کہ میری کل زندگی میں " رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" کی عطا کی ہوئی تمام کسبی و وہبی نعمتوں کا مقصد؛ محض وقتی عبادات نہیں بلکہ کل وقتی عبادت کی شکل میں اس کی خوشنودی کی طلب ہے اور یہ کہ جہاں وہبی نعمتیں تو خالصاً اللہ سبحان و تعالٰی کی خصوصی عنایت ہیں؛ وہیں کسبی نعمتوں کا میسر ہونا بھی اس کی مدد اور کرم کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔

تو جہاں میری زندگی میں؛ کل نعمتوں کے ذریعے؛ اللہ کی عبادت کے سوا؛ کسی اور مطلوب کا حصول میرے اپنے نفس پر انتہائی ظلم ہے؛ وہیں کسبی دینی و دنیاوی نعمتوں کے حصول کے لیے غیر اللہ سے؛ کسی بھی شکل میں اسباب سے ماورا سمجھتے ہوئے؛ مدد کی امید کرنا یا غیر شرعی طرائق کا اختیار کرنا بھی متوازی ظلم ہے۔

محاسبہ طلب بات یہ ہے کہ	
کیا میری زندگی کا مطلوب اللہ سبحان و تعالٰی کی غیر مشروط کل وقتی عبادت ہے یا نفس کے تابع جزوقتی عبادات؟	**کیا** میں کل وقتی عبادت اور جزوقتی عبادات میں فرق کا ادراک رکھتا ہوں؟
کیا میں اپنی زندگی میں موجود جزوقتی عبادات پر مطمئن ہوں؟	**کیا** میری زندگی میں غیر اللہ کی اطاعت اور اس کی خوشنودی کا حصول اہمیت رکھتا ہے؟
کیا میں کسبی نعمتوں کے حصول میں اپنے آپ کو دین کی مقرر کردہ حدود و قعود سے آزاد سمجھتا ہوں؟	**کیا** واقعی میرے نزدیک کسبی و وہبی نعمتوں کے حصول میں تمام امیدوں کا واحد مرکز اللہ سبحان و تعالٰی کی ذات ہے؟
احسن تقویم (یعنی عابد و متوکل مومن) اور اسفل سافلین (یعنی مشرک و بے صبر کافر) کے پیمانہ پر	
میری موجودہ طرز زندگی **کتنی** "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" کی گواہ ہے؟	
میری فطرت " احسن" یا "اسفل" **کس انتہا سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے** تا کہ آخرت کی امید بھی	

اسی مناسبت سے کر سکوں؟

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝

ہمیں سیدھا راستہ دکھا[5]۔

یہ دعائیہ کلمات ہیں؛اور ہر دعا پکارنے والے کا ایک قولی عمل ہی تو ہوتی ہے؛جس کے باعث میرے نزدیک یہ عمل کی آیت ہے۔ہدایت؛ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت اور یقیناً میری سب سے بڑی دنیاوی ضرورت۔اور میں یہ بھی معرفت رکھتا ہوں کہ؛یقیناً "رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ" کے سوا کوئی "اله" نہیں جو اس نعمت کو عطا کرنے پر قادر ہو؛اور یقیناً اس نعمت کا عطا کیا جانا خالصاً "اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ" کا احسان عظیم ہو گا؛میرا کوئی ذاتی استحقاق نہیں؛اور یقیناً "مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ" اس نعمت کے عطا کرنے کے بعد اس کے استعمال کے متعلق میرا مواخذہ بھی فرمائے گا۔اور میں اس بات کا بھی ادراک رکھتا ہوں کہ تا دم مرگ اس نعمت کی عطا میں تسلسل کی بنیاد میرے عہد "اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ" کی پاسداری پر ہے۔

محاسبہ طلب بات یہ ہے کہ	
کیا واقعی میں اس ہدایت کی نعمت کی طلب میں مخلص ہوں؟	کیا میں دین کو اپنی موجودہ طرز زندگی پر ترجیح دینے کا مضبوط باطنی ارادہ رکھتا ہوں؟
کیا میں اس ہدایت کے نتیجہ میں ممکنہ آزمائشوں کے لیے ذہنی طور پر تیار ہوں؟	
احسن تقویم (یعنی صادق مومن) اور اسفل سافلین (یعنی منافق کافر) کے پیمانہ پر	
میری موجودہ طرز زندگی کتنی عملی منافقت (یعنی قول و فعل میں تضاد) سے پاک ہے؟	
میری فطرت "احسن" یا "اسفل" **کس انتہا سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے** تاکہ آخرت کی امید بھی اسی مناسبت سے کر سکوں؟	

صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ۝

ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا[6]،نہ کہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ وہ جو گمراہ ہوئے[7]۔

یہ دعائیہ کلمات اوپر والی دعا کا تکملہ اور اس ہدایت کے مندرجات ہیں؛جس کے طلب کے لیے میں اللہ سے دن میں کم از کم سترہ بار قولی طور پر دعا گیر ہوتا ہوں۔کسی بھی مطلوب کے حصول کے لیے لازم ہے کہ

انسان کا باطنی ارادہ مضبوط اور ظاہری اسباب کے حصول کی عملی کوشش میں کوشاں ہو۔ اور ظاہری اسباب میں اولین حیثیت دعا کی ہی ہے؛ اس کے بعد ہی اس مطلوب کے حصول کا علم اور پھر اس علم کے موافق عمل کی باری آتی ہے۔ تو ہدایت کی نعمت کے حصول کے لیے؛ میرا جتنا باطنی ارادہ مضبوط ہو گا؛ اتنا ہی میں اپنی دعا میں مخلص؛ علم کے حصول میں صادق؛ اور میرا عمل حاصل کردہ علم کے تابع اور نفاق سے پاک ہو گا۔

مطلوب دینی ہو دنیاوی اس کے حصول کے تین ہی ممکنہ راستے ہیں؛ اول حق پر مبنی؛ دوم ظلم پر مبنی اور سوم جہالت پر مبنی۔ جب قرآن حکیم اور انسان کے باطنی ارادہ؛ دعا؛ علم اور عمل میں ہم آہنگی ہو تو یہ راستہ حق پر مبنی ہوتا ہے اور اگر قرآن حکیم اور انسان کے باطنی ارادہ؛ دعا؛ علم یا عمل میں ارادتاً کج راہی ہو تو یہ راستہ ظلم پر مبنی ہوتا ہے مگر اگر قرآن حکیم اور انسان کے باطنی ارادہ؛ دعا؛ علم یا عمل میں بے علمی کے باعث کج راہی ہو تو یہ راستہ جہالت پر مبنی ہوتا ہے۔ جاہل گمراہ (الضَّآلِّيْنَ) کی نسبت ظالم گمراہ (الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ) پر شدید عتاب اس لیے زیادہ برحق ہے کہ ظالم کی اللہ تعالیٰ سے بغاوت اختیاری سرکشی ہے۔

محاسبہ طلب بات یہ ہے کہ	
کیا میں کسی بھی دینی و دنیاوی عمل سے پہلے اپنی جہالت کے سدّباب کی کوشش کرتا ہوں؟	کیا میں انعام یافتہ لوگوں میں شمولیت کے لیے مطلوبہ علم (خصوصاً فکری مشابہت) کے حصول کی سعی میں مشغول ہوں؟
کیا میرے حاصل کردہ علم اور عمل میں موافقت ہے یا میرا شمار ظالموں میں ہو سکتا ہے؟	کیا میں عصر حاضر میں دینی اعتبار سے انعام یافتہ لوگوں؛ ظالموں اور جاہل گمراہوں کی پہچان کی صلاحیت رکھتا ہوں؟
کیا میں دین کی خاطر عصر حاضر میں دینی اعتبار سے انعام یافتہ لوگوں کی پیروی کی عملی نیت رکھتا ہوں؟	کیا میں دنیا کی خاطر عصر حاضر میں ظلم یا جہالت کی بنیاد پر قائم حکومتوں اور معاشروں کا مطیع رہنے پر مطمئن ہوں؟
احسن تقویم (یعنی ہدایت یافتہ مومن) اور اسفل سافلین (یعنی ضال و مضل کافر) کے پیمانہ پر	
میں کتنا ظالموں اور جاہل گمراہوں سے دلی انس اور ان کی قولی و عملی مشابہت سے آزاد ہوں؟	
میری فطرت "احسن" یا "اسفل" کس انتہا سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے تاکہ آخرت کی امید بھی اسی مناسبت سے کر سکوں؟	

اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا ہے کہ میرے افکار؛ اقوال اور اعمال کو اس محاسبہ کی روشنی میں سورۃ الفاتحہ کے میزان سے حقیقی مشابہت نصیب ہو جائے؛ کیونکہ مجھے کامل یقین ہے کہ اگر یہ مشابہت نصیب ہو گئی تو یہ سورۃ اپنی برکت سے نہ صرف باقی قرآن پر تدبر اور عمل کو میرے لیے آسان فرما دے گئی بلکہ وہ حفاظتی حصار بھی مہیا کر دے گی جو میری دنیا و آخرت کی کامیابی کا ضامن ہے۔

قرآن سے محاسبہ کی صورت میں استفادہ کے دوران؛ شیطان؛ مجھے عمومی طور پر دو شیطانی وسوسوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے؛

- کیا میرے لیے عصر حاضر میں؛ اپنے عائلی؛ معاشرتی؛ ملکی اور عالمی دباؤ کے ماتحت؛ قرآن کے مطلوبہ نتائج کا حصول ممکن ہے؟۔
- اور میں جانتا ہوں کہ "لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا [سورۃ البقرۃ ؛۲۸۶] خدا کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا" تو اگر میں ان مطلوبہ نتائج کے عملی حصول کی طاقت نہیں رکھتا تو پھر کیا کروں؟۔

ان دونوں وسوسوں سے نبرد آزما ہونے کا تعلق میرے ارادہ کی مضبوطی اور دعا میں اخلاص کے ساتھ ہے؛ کیونکہ میں بخوبی جانتا ہوں کہ مطلوبہ نتائج کے حصول کے امکانات کو؛ بغیر کسی عملی کوشش کے؛ ناپنے کا کوئی پیمانہ نہیں ہے؛ خصوصاً جبکہ "احسن تقویم" والے گروہ سے فکری؛ قولی اور عملی مشابہت کا علم ہر دور میں موجود بھی ہو اور اس کا حاصل کرنا عین ممکن بھی ہو؛ یہ علم کے حصول کی کوشش ہی میرے عمل کا پہلا جزو ہے۔

عمل کے دوسرے جزو کا اطلاق؛ اس حاصل کردہ علم پر عمل سے ہے؛ اور اس جزو میں کم از کم انفرادی سطح پر اللہ کی معصیت اور اس کے احکامات کی تکمیل میں اختیاری کوتاہیوں سے اپنی حفاظت نہ کر سکنے کے بارے میں تو یہ وسواس محض میری نفس پرستی کا نتیجہ ہیں؛ اور باہمی اور اجتماعی سطح پر عمل میں میری کوتاہیاں گو "لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا " کے تابع تو ہیں؛ مگر حقیقی حالت اکراہ میں بھی؛ اس سطح پر میرے حاصل کردہ علم کو؛ میرے نفس کو؛ ان جبری کوتاہیوں کے مزین کرنے اور ان سے بلا ضرورت مستفید ہونے کی جسارت پر روکنے والا ہونے کے ساتھ؛ مجھے آخرت کی جوابدہی سے مزید خوفزدہ اور حالات میں بہتری کی جستجو میں کوشاں رکھنے والا ہونا چاہیے۔

شاید یہ فکر آخرت اور "اسفل سافلین" کے قول اور عمل سے فکری کراہت ہی میزان پر میری ان کوتاہیوں کے وزن میں کچھ کمی کا باعث بن سکے۔

اَللّٰھُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِیْ فِیْ قَبْرِیْ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ وَاجْعَلْہُ لِیْۤ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّھُدًی وَّ رَحْمَۃً اَللّٰھُمَّ ذَکِّرْنِیْ مِنْہُ مَانَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْہُ مَاجَھِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَہٗ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَاٰنَآءَ النَّھَارِ وَّاجْعَلْہُ لِیْ حُجَّۃً یَّارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ○ اٰمِیْن

لا الہ الا اللہ؛ لا الہ الا اللہ؛ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آلہٖ و صحابہٖ و بارک و سلم تسلیماً کثیرا کثیرا